عربی زبان کی خصوصیات وامتیازات

محترم مظفر عباسی

اس وقت دنیا میں کم وبیش ساڑھے تین ہزار زبانیں اور بولیاں رائج ہیں، زبانوں کی کثرت اور بولیوں کے اختلاف نے اقوام وملل کے معمولی اور سطحی نوعیت کے اختلافات کو شدید اور خطرناک بنادیا ہے، برصغیر پاک وہند کے مشہور عالم اور لسانیات کے فاضل علامہ سید سلیمان ندوی نے ۱۹۱۵ء میں فرمایا تھا:

''اگر ہندوستان ایک ملک بننا چاہتا ہے اور اس کے قومی تعلیمی اور سیاسی خیالات کو بحیثیت ایک قوم اور ایک ملک کے ترقی کرنا ہے تو ایک مشترکہ زبان کے بغیر چارہ نہیں۔'' (نقوش سلیمانی صفحہ ۶)

اور دس سال بعد ۱۹۲۵ء میں ارشاد فرمایا تھا:

''اس وقت کوئی ایسا عقلمند، ہندوستان میں نہیں جو اس ملک کے لئے ایک عام اور مشترک زبان کی ضرورت سے انکار کرے، اگر ہندوستان کو ایک قوم بننا ہے تو مقامی زبانوں کے سوا ایک نہ ایک عام زبان بنانی پڑے گی۔'' (نقوش سلیمانی صفحہ ۲۲۶)

علامہ ندوی صاحب مرحوم کی ان عبارتوں سے اس امر کی تصدیق وتائید ہوتی ہے کہ انسانوں میں اتحاد اور تعاون کے لئے ایک عام اور مشترک زبان کا ہونا ضروری ہے۔

انسان کی مادی اور معاشرتی ترقی کا راز، زبان کی وسعت اور ترقی میں ہے، اگر انسان دوسرے جانداروں کی طرح اپنی زبان کو چند آوازوں تک محدود رکھتا تو مختلف افراد، قومیں اور نسلیں ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ نہ کرسکتیں، اس لئے کہ انسان کی تمام تر ترقی، باہمی تعاون، ایک دوسرے سے ہمدردی اور افہام وتفہیم کی بدولت ہوئی ہے اور یہ امور ایک ترقی یافتہ زبان کے بغیر متصور نہیں ہوسکتے۔

حاصل کلام یہ کہ:

(۱)......انسان نے دوسرے جانداروں کے مقابلے میں جو شاندار معاشرتی ترقی کی ہے، وہ زبان کی بدولت ممکن ہوئی ہے۔

(۲)......آج زبان کی شاخ در شاخ تقسیم اور بولیوں کے اختلاف نے دنیا بھر کے انسانوں میں اختلافات پیدا کر دیئے ہیں، ایسے اختلافات جنہوں نے نہ صرف ترقی بلکہ عالم انسانیت کو خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔

عالمی زبان:......عالمی زبان سے مراد ایک ایسی زبان ہے جو ساری دنیا میں رائج ہو اور جس کے ذریعے مختلف اقوام و ملل کے لوگ ایک دوسرے سے میل جول اور روابط بڑھا سکیں، بعض لوگ عالمی زبان کو قومی اور علاقائی زبانوں کے لئے خطرہ خیال کرتے ہیں، جس طرح ہٹلر نے عالمی زبان اسپرانتو (Esperanto) کو جرمنی کی قومی زبان کے لئے خطرہ تصور کرتے ہوئے اسے ملک میں خلاف قانون قرار دیا تھا، حقیقت یہ ہے کہ عالمی زبان کسی ملکی، قومی یا علاقائی زبان کے لئے خطرہ نہیں ہوتی، جدید لسانیات کے ماہر بوڈمر (Bodmer) نے اپنی کتاب ''دی لوم آف لینگویج (The Loom of Language) کے گیارہویں باب میں اس قسم کے تمام فرضی خطرات اور خدشات کی تردید کر دی ہے اور عالمی زبان کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:

> ''عالمی زبان ہر ملک میں ثانوی زبان کے طور پر رائج ہوگی، آج بھی دنیا بھر کے مدارس میں بچے مادری زبان کے ساتھ ساتھ لازمی طور پر ایک یا ایک سے زیادہ غیر ملکی زبانوں کی درس و تدریس اور رواج سے کسی ملک اور قوم کی زبان کو خطرہ نہیں تو عالمی زبان کی تعلیم سے خطرہ کیوں ہوگا۔'' (کتاب مذکور صفحہ ۴۸۲-۴۸۳)

ضرورت کا احساس:......اسلام نے روز اول سے ہی عالمی زبان کی ضرورت کا احساس کر لیا تھا، چنانچہ قرآن کریم کی تلاوت، نماز اور خطبات جمعہ وعیدین کے لئے عربی زبان کو بین الاقوامی سطح پر لازمی قرار دیا ہے، گویا جس ضرورت کا احساس اہل دنیا نے ''بعد از خرابی بسیار تجربات'' کی روشنی میں آج کیا ہے، اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے کر لیا تھا۔

اس سے پہلے کہ یہ بتایا جائے کہ کس ملک یا قوم کے لوگوں نے عالمی زبان کی ضرورت کا احساس کب کیا اور پھر اس باب میں کس نوعیت کی کوششوں کو کام میں لایا گیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان اسباب وعلل کی نشاندہی کی جائے جو اس احساس کے محرک ہوئے ہیں۔

مسلمانوں میں عالمی زبان کی ضرورت کا احساس، اشاعتِ اسلام اور وسیع وعریض سلطنت کے نظم وضبط نے پیدا کیا تھا، اموی خلافت کے زمانے میں فتوحات کا سلسلہ پھیل گیا اور اندلس سے سندھ تک کی وسیع مملکت ایک مرکزی حکومت کے تحت چلنے لگی، تو اربابِ سیاست نے ایک ایسی زبان کی ضرورت محسوس کی جو پورے عالم اسلام میں افہام وتفہیم کا ذریعہ ہو، چنانچہ عبدالملک بن مروان نے عربی کو پورے عالم اسلام کی سرکاری زبان قرار دے دیا اور کوشش کی کہ مملکت کے مختلف حصوں میں بولی جانے والی علاقائی زبانوں کے دوش بدوش عربی کو رائج اور عام کیا جائے۔

امویوں کے بعد عباسی دور کے خلفاء نے غیر ملکی زبانوں کے عربی میں تراجم کا سلسلہ شروع کیا اور لاطینی، یونانی، عبرانی، فارسی اور سنسکرت زبانوں میں لکھی ہوئی کتابوں کو عربی میں منتقل کر دیا۔ اس طرح ایک آدمی کے لئے صرف عربی کے سیکھ لینے سے مختلف زبانوں میں تصنیف کی گئی کتابوں کا مطالعہ ممکن ہو گیا۔

اسلام، ایک تبلیغی اور بین الاقوامی مذہب (دین) ہے، مسلمان جہاں کہیں گئے، انہیں زبانوں کی مغایرت کا شدت سے احساس ہوا اور جب دیکھا کہ زبانوں کا اختلاف دین کی اشاعت میں حائل ہو رہا ہے تو انہوں نے جا بجا درس گاہیں قائم کر کے عربی زبان کی درس وتدریس شروع کر دی اور غیر عرب اقوام کو ثانوی زبان کے طور پر عربی سکھانے میں سہولت کی خاطر عربی زبان کے قواعد (Grammer) کا فن ایجاد کیا، ہمارے اس بیان کی تصدیق اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ عربی قواعد (Grammer) کی مستند ترین کتابیں غیر عرب علماء کی تصنیف کردہ ہیں۔

سقوط بغداد کے حادثے کے بعد مسلمان سیاسی اقتدار سے محروم ہوتے چلے گئے، یہاں تک کہ مغربی یورپ اور خاص کر برطانیہ اور فرانس نے فتوحات کا سلسلہ شروع کیا، ان ملکوں کے سیاستدانوں نے مذہب کو دنیاوی مقاصد کے لئے استعمال کیا اور اس کی صورت یہ نکالی کہ عیسائیت کی تبلیغ کے بہانے کم ترقی یافتہ اور پسماندہ ملکوں میں پادری (مبشر) بھیجے اور ان کے پیچھے فوجوں، جرنیلوں اور سیاسی شاطروں نے پیش قدمی کی، پادریوں نے تبلیغ کے دوران اور جرنیلوں نے فوجی کارروائیوں اور ان کے بعد نوآبادیات میں نظم ونسق کے دوران ایک مشترک زبان کی ضرورت محسوس کی، برصغیر پاک وہند میں رومن اردو، کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کا قیام اور میر امن دہلوی کے "باغ و بہار" جیسے طویل افسانے، انگریز حکمرانوں کے زبان کی ضرورت کے بارے میں اسی احساس کا نتیجہ ہیں۔

سترہویں صدی کے شروع تک یورپ میں لاطینی (Latin) عملی زبان کے طور پر رائج تھی۔ یورپ کے ہر حصے اور قوم میں اس کی درس وتدریس کا اہتمام تھا، اس طرح انہیں ایک ایسی زبان حاصل تھی جو اس براعظم کے مختلف اقوام میں افہام وتفہیم کا ذریعہ تھی، ایشیا، افریقہ اور امریکہ میں فتوحات اور نوآبادیات کے قیام نے یورپ کے مختلف ملکوں اور طاقتوں کے درمیان "رقابت حسد" عناد اور مخالفت کے جذبات پیدا کر دیئے اور اس طرح یورپ سرد وگرم دونوں قسم کی خانہ جنگی کا شکار ہو گیا، اس خانہ جنگی میں فتح حاصل کرنے کے لئے سیاست دانوں نے اپنے اپنے ملک کے عوام میں نسلی اور ملکی برتری کا جذبہ ابھارنے کی کوشش کی اور ہر ملک کے حکمرانوں نے اپنی قومی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دے کر لاطینی زبان (Latin) کے لئے عرصہ حیات تنگ کر دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ زبانوں کی دلدل میں پھنس گیا۔

یورپ کے عاقبت اندیش اور خیر خواہ دانشوروں نے محسوس کیا کہ زبانوں کا اختلاف کسی روشن مستقبل کی علامت نہیں، انہوں نے لاطینی کو مشترک اور بین الاقوامی زبان بنائے رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی، لیکن لاطینی کی اندرونی خرابی نے ان کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دیا، ایک طرف مقامی زبانوں کی برتری کا عام رجحان اور دوسری طرف لاطینی زبان

کی مشکلات دو ایسے امور تھے، جنہوں نے اس زبان کے زوال کو یقینی بنادیا، نوجوان نسل نے لاطینی زبان کے قواعد (Grammar) کے ناقص ہونے پر اعتراض کیا اور کہا کہ ہمارے پاس اتنا زیادہ وقت نہیں کہ سائنسی علوم کی تعلیم سے پہلے عمرِ عزیز کا گرانمایہ حصہ لاطینی کے قواعد رٹنے میں صرف کر دیں، ظاہر ہے کہ نوجوان نسل کا لاطینی سے فرار ایک قدرتی امر تھا اور ان کے اعتراض کا ان دانشوروں کے پاس کوئی جواب نہ تھا جو لاطینی کو زندہ رکھنے کی کوشش میں تھے۔

آخر یورپ کے بہی خواہ دانشوروں نے لاطینی کی جگہ کسی دوسری زبان کی تلاش شروع کی جسے پورے براعظم میں مشترک زبان کی حیثیت سے اپنایا جاتا، لیکن اہل یورپ کی بدقسمتی کہیے کہ انہیں یورپ میں رائج قومی زبانوں میں کوئی زبان بھی ایسی نہ مل سکی جس میں مشترک زبان ہونے کی صلاحیت ہوتی۔

مصنوعی زبانیں:......یورپ کے ماہرین لسانیات براعظم میں رائج زبانوں کی صلاحیتوں سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے مصنوعی زبان (Artificial Language) کی تیاری پر سوچنا شروع کیا، اس سلسلے میں یورپ کے ماہرین نے جس قدر محنت کی، اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، البتہ چند بنیادی اور ضروری باتیں یا اشارات ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں:

(۲)......۱۶۶۸ء میں بشپ ولکنز (Bishop Wilkins) نامی ایک ماہر لسانیات نے ''فلسفیانہ زبان'' (Philosophical Language) کے عنوان پر ایک مضمون لکھا، جس میں فرانس کے مذکورہ بالا فلسفی کے خیالات کی تائید اور اسے عملی جامہ پہنانے کے اقدامات کی وضاحت کی گئی تھی۔

(۳)......۱۶۶۱ء میں دالگرنو (Dalgarno) نام کے ایک عالم لسانیات نے ایک ایسی زبان تیار کی تھی جس کا ذخیرہ الفاظ ریاضی کے اعداد کی طرح آسان اور قابل فہم تھا، اس نے ایک جیسے معانی کے لئے ایک جیسے کلمات تجویز کیے تھے، ہاتھی، گھوڑا، گدھا اور خچر، بار برداری کے کام آنے والے چار جانور ہیں جو ایک دوسرے سے کام کی نوعیت کے اعتبار سے تعلق رکھتے ہیں۔ ''دالگرنو'' کی زبان میں ان چاروں جانوروں کے لئے جو کلمات مخصوص تھے وہ بھی آپس میں قریبی ربط رکھتے تھے، مثلاً: ہاتھی کے لئے ''نیکا'' گھوڑے کے لئے، ''نیکے'' گدھے کے لئے، ''نیکی'' اور خچر کے لئے ''نیکو'' کا لفظ تھا۔

(۴)......۱۶۶۴ء میں برطانیہ کی رائل سوسائٹی نے انگریزی کی اصلاح کے لئے ایک کمیٹی قائم کی تھی، اس کمیٹی کا قیام اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ انگریزی ناقص زبان ہے اور اس میں بین الاقوامی زبان ہونے کی صلاحیت نہیں، اس کمیٹی نے کیا سفارشات کیں یا انگریزی کی اصلاح کے سلسلے میں کیا خدمات سرانجام دیں؟ اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا، البتہ اس کمیٹی نے ''دالگرنو'' کے نام ایک خط میں لکھا تھا کہ آپ کی تیار کردہ زبان کو عالمی زبان کے طور پر قبول کر لینے کی بادشاہ کو سفارش کی گئی ہے۔

(۵)......بشپ ولکنز (Bishop Wilkins) نے جو زبان مرتب کی تھی، اس کی ایک خوبی یہ تھی کہ اس میں دوسری زبانوں کے تراجم یا اس زبان کے دوسری زبان میں ترجمے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی، کسی ایک زبان کی کتاب کو

ولکنز کے تیار کردہ رسم الخط میں لکھ دینے سے اس میں یہ خوبی پیدا ہو جاتی تھی کہ وہ لوگ بھی اس کتاب کو سمجھ سکتے تھے جو اس زبان سے واقف نہیں ہوتے تھے، جس میں کتاب لکھی گئی تھی۔ گویا ولکنز نے تلفظ ایجاد نہیں کیا تھا، رسم الخط مرتب کیا تھا۔ ولکنز (Wilkins) نے اس ایجاد کا تصور ریاضی کے اعداد اور چینی کے رسم الخط سے لیا تھا، ریاضی کے اعداد لکھنے والا کسی زبان میں لکھنے پڑھنے والا اپنی زبان میں پڑھ لیتا ہے، یہی حال چینی زبان کا ہے۔

چین میں آٹھ مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں، لیکن یہ سب ایک ایسے مشترک خط میں لکھی جاتی ہیں کہ شمالی چین کی زبان میں لکھی ہوئی کتاب کو جنوبی چین میں رہنے والا وہ شخص بھی پڑھ سکتا ہے جسے شمالی چین کی زبان سے قطعاً کوئی واقفیت نہیں، گویا چین کے مختلف حصوں میں رہنے والے لوگ ایک دوسرے سے بات چیت تو نہیں کر سکتے ہیں لیکن سارے چین میں ایک ہی اخبار پڑھا جا سکتا ہے، باوجود یہ کہ سارے چین میں آٹھ مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں، دراصل چینیوں کا رسم الخط تصویری رسم الخط کی ایک صورت ہے جو چین کی آٹھ مختلف زبانوں کے لئے مشترکہ حیثیت رکھتا ہے اور ولکنز نے جو رسم الخط ایجاد کیا تھا وہ ساری دنیا کی زبانوں کے لئے استعمال کیا جا سکتا تھا، یا کم از کم ولکنز کا یہ دعویٰ تھا کہ اس کے ایجاد کردہ رسم الخط میں عالمی ہونے کی صلاحیت ہے۔

(۶)......۱۸۷۹ء میں جرمنی کے ایک دانشور نے جس کا نام "جان مارٹن شیلیر (Johann Martin Schleyer) تھا، وولاپوک (Volapuk) نام سے ایک زبان ایجاد کی، یہ پہلی خوش نصیب مصنوعی زبان تھی جسے لکھا اور پڑھا گیا، اس میں کتابیں تصنیف کی گئیں اور تراجم ہوئے، اس زبان کی ایجاد کے صرف دس سال ۱۸۸۹ء میں اندازہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وولاپوک کے حمایتی دو لاکھ سے اوپر تھے، دو درجن رسالے اور تین سو سے اوپر جماعتیں اس کی نشر و اشاعت میں مصروف تھیں، وولاپوک کا مقصد اس کے نام اور نعرے سے ظاہر ہے، وولاپوک (Volapuk) اسی زبان کے دو کلمات سے مرکب ہے۔ "وولا" (Vola) یعنی "عالمی" اور "پوک" (Puk) یعنی "زبان"...... عالمی زبان...... اس زبان کے حامیوں کا نعرہ (Motto) تھا...... Menade Bal Puki Bal (For One ...... Humanity One Language) یعنی ایک انسانیت کے لئے ایک زبان، افسوس کہ یہ زبان اپنے ہی چاہنے والوں کے باہمی اختلافات کے بعد جس سرعت سے پھیلنی شروع ہوئی تھی، اس سرعت سے ۱۸۸۹ء میں انحطاط کا شکار ہو گئی۔

(۷)......۱۸۸۷ء میں "وولاپوک" کے زوال سے دو سال پہلے اس زمانے کی مشہور اور کامیاب ترین مصنوعی زبان "اسپرانتو" (Esperanto) ایجاد ہوئی، اس کے موجد کا نام "زامن ہوف" (Zamenhof) تھا جو پولینڈ کا باشندہ تھا۔ اٹلی کے ایک شخص نے آج سے چار دہائی قبل قرآن کریم کا اسپرانتو میں ترجمہ کیا ہے۔

اسپرانتو (Esperanto) کی ایجاد کے بعد بھی بہت سی مصنوعی زبانیں ایجاد کی گئی ہیں، جن میں

سپیلین (Spelin) یونی ورسل (Universal) ایدو (Ido) اور اسپرانتید و (Esperanti do) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، لیکن ''اسپرانتو'' جیسی کامیابی اور شہرت کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ ''اسپرانتو'' ایک زندہ اور ترقی پذیر زبان ہے، اس کے مطالعہ سے یورپیائی زبانوں کے انداز اور اسٹائل کا پتہ چل جاتا ہے۔

بنیادی انگریزی:......اوپر کی سطور میں یہ بات عرض کی جاچکی ہے کہ ۱۶۶۲ء میں انگریزی کی اصلاح کر کے اسے عالمی زبان بنانے کی کوشش کی گئی تھی، اس وقت تو یہ کوشش ابتدائی مراحل ہی پر ختم ہوگئی تھی، لیکن ۱۹۳۰ء میں ایک انگریز نے ازسرنو کوشش کر کے ''بنیادی انگریزی'' (Basic Englash) تیار کی، اس میں خوبی یہ ہے کہ ۸۵۰ کلمات پر مشتمل ذخیرہ الفاظ ہے، جو چالیس ہزار کلمات کی جگہ استعمال ہوسکتا ہے اور اس کی گرائمر کے صرف سولہ قاعدے یاد کرنے پڑتے ہیں، اس زبان کی ایجاد یا ترتیب کے بعد ۱۹۴۰ء میں اس کی اشاعت کے لئے باقاعدہ کوشش شروع کی گئی۔

انگریزوں کی اس کوشش کے دیکھا دیکھی امریکیوں نے خاص انگریزی (Special English) ترتیب دی ہے، حقیقت یہ ہے کہ انگریز اور امریکی یہ نہیں چاہتے کہ ان کی زبان انگریزی کے علاوہ کوئی دوسری زبان عالمی زبان کا درجہ حاصل کرے، انہیں ''اسپرانتو'' کی مخالفت کے لئے کوئی دلیل ہاتھ نہیں آئی تو اس کے مقابلے میں بیسک اور اسپیشل انگریزی رائج کرنے کی کوشش شروع کردی ہے، شاید انہیں اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ دنیا انگریزی اور اس کے پرستاروں (انگریزوں اور امریکیوں) کو ٹھکرا چکی ہے اور ان کے اپنے مفکر ''لارڈ رسل اور ٹائن بی'' وغیرہ یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ اب عالمی سیاست اپنا رخ بدل رہی ہے۔

جہاں تک انگریزی زبان کا تعلق ہے اس سلسلے میں اس زبان کے تمام ماہر بغیر کسی اختلاف رائے کے اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ زبان نہایت بے ربط، بے ڈھنگی اور بے لطف ہے، نہ اس میں فرانسیسی یا عربی، فارسی جیسی حلاوت اور شیرینی ہے اور نہ ہی اس کی ساخت، بناوٹ، اسٹائل اور قواعد میں معقولیت ہے، آگے بڑھنے سے پہلے اب تک کی معروضات کا خلاصہ ملاحظہ فرمالیں:

(۱)......زبانوں کی کثرت اور بولیوں کا اختلاف، عالمی سطح پر انسانوں میں اتفاق اور تعاون کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

(۲)......مختلف ملکی یا قومی زبانوں کے ساتھ ساتھ ایک عالمی یا بین الاقوامی زبان کی بھی ضرورت ہے۔

(۳)......اسلام نے عالمی زبان کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے عربی زبان کو مسلمانوں کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔

(۴)......یورپ کے ماہرین لسانیات نے یہ حقیقت تسلیم کرلی ہے کہ لاطینی (Latin) یورپ میں متعارف کسی دوسری زبان میں عالمی زبان کا درجہ حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں۔

(۵)......یورپ کے دانشوروں اور ماہرین لسانیات نے مختلف مصنوعی زبانیں ایجاد کیں لیکن ان میں سے کوئی ایک

بھی عالمی زبان کا درجہ حاصل نہ کرسکی، سوائے ''اسپرانتو'' کے۔

(۶)......انگریزوں اور امریکیوں نے انگریزی کے ذخیرہ الفاظ کو محدود کرکے اسے عالمی زبان کے طور پر مقبول بنانے کی کوشش شروع کررکھی ہے۔

عالمی زبان کی خوبیاں:......عالمی زبان کا درجہ وہی زبان حاصل کرسکتی ہے جس میں کم از کم مندرجہ ذیل خوبیاں ضرور موجود ہوں۔

(۱)......مناسب ذخیرہ الفاظ (۲)......جامع قواعد (۳)......نئے کلمات کی گنجائش

(۴)......قابل قبول صوتی نظام (۵)......اختصار

آیئے ان خوبیوں پر غور کریں اور جائزہ لیں کہ عربی یا کسی دوسری زبان میں ان خوبیوں کی کیا حیثیت ہے:

(۱)......**ذخیرہ الفاظ:**......ذخیرہ الفاظ کے بغیر کسی زبان کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا، البتہ ''بشپ ولکز'' نے جو زبان ایجاد کی تھی، اس میں الفاظ کا ذخیرہ اس طرح نہیں تھا کہ ہر چیز کا ایک مخصوص نام ہو بلکہ ہر چیز کو لکھ کر بیان کرنے کا ایک مخصوص اشارہ تھا۔ ''ولکز'' کو اس امر کی پروا نہیں تھی کہ کس مفہوم کے بیان کے لئے کیا آواز پیدا کی جائے، بلکہ اس کی توجہ اس بات پر تھی کہ کس مطلب کے اظہار کے لئے قلم اور کاغذ کی مدد سے کیسا نقش بنایا جائے، غرض ولکز نے ذخیرہ الفاظ کے بغیر زبان بنالی تھی، لیکن اس کا یہ مفہوم نہیں کہ اسے ذخیرہ الفاظ کی ضرورت نہ تھی، بلکہ وہ موجودہ زبانوں کے الفاظ ہی کو اپنے مخصوص رسم الخط میں لکھ کر اپنا مدعا بیان کرلیتا تھا۔

ذخیرہ الفاظ میں سب سے بڑی خامی، الفاظ و معانی میں ربط کا نہ ہونا ہے۔ اردو میں ملاحظہ فرمائیں، ہاتھ اور ہاتھی، مال اور مالی، باغ اور باغی وغیرہ کلمات کے تلفظ اور صورتوں میں کس قدر قریبی تعلق اور ربط ہے، لیکن ان معانی اور مطالب میں ایک دوسرے سے دور کی نسبت بھی نہیں، دنیا بھر کی زبانوں اور خاص کر یورپیائی زبانوں کے ذخیرہ الفاظ کی اسی خامی کے پیش نظر ۱۶۶۱ء میں ''دالگرنو'' نے اپنی وہ زبان ایجاد کی تھی جس میں ہاتھی، گھوڑا، گدھا اور خچر کے مفہوم کے لئے علی الترتیب نیکا، نیکے، نیکی اور نیکو کے کلمات تجویز کئے تھے۔

کلمات کے معانی اور تلفظ میں اگر ربط ہو تو ذخیرہ الفاظ پر عبور حاصل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس چند ہزار کلمات کا ذہن نشین کرنا بھی سالہا سال کی محنت چاہتا ہے، ہمارے نوجوان جو بی، اے کا امتحان پاس کرتے ہیں، انہیں انگریزی کے صرف چار ہزار کلمات پر عبور حاصل کرنا پڑتا ہے اور اس میں بھی ان کی قابلیت اور مہارت بالکل سطحی اور ابتدائی ہوتی ہے۔

عربی زبان کا ذخیرہ الفاظ اس خامی سے پاک ہے، اگر کسی مقام پر یہ خامی محسوس ہوتی ہو تو اس کی اصل وجہ مرور ایام کے باعث زبان میں پیدا ہونے والی تبدیلیاں ہیں، ذیل کی مثالوں سے ہمارے اس بیان کی تائید اور تصدیق ہوتی ہے۔

(۱)......جاننا، پہچان، استاد، شاگرد، علم وغیرہ قبیل کے بے شمار اردو کلمات ہیں جن کے معانی میں قریبی ربط اور تعلق ہے، لیکن الفاظ ایک دوسرے سے دور بھاگتے ہوئے نظر آتے ہیں، لیکن اسی قبیل کے کلمات کو عربی میں دیکھیں تو معانی کا ربط الفاظ میں بھی بدستور موجود ہے۔ علم، معلوم، معلم، متعلم، معلومات، علم، عالم، علامہ اور علامات وغیرہ۔

(۲)......ہمارے ہاں ماں باپ، والد والدہ اور بیٹا وغیرہ کلمات میں الفاظ و معانی میں ربط نہیں لیکن عربی میں ولد ولادت، والد والدہ، مولود اولاد، مولد موالید، تولید وغیرہ کلمات کس خوبی کے ساتھ لفظاً اور معناً دونوں حالتوں میں مربوط نظر آتے ہیں۔

(۳)......انگریزی کے Head (سر) اور Chief (سردار) کے تلفظ اور مفہوم میں جو بعد ہے وہ عربی کے رأس اور رئیس میں نہیں۔

غرض عربی زبان کے ذخیرہ الفاظ میں وہ خوبی موجود ہے جس کے لئے ڈالگرنو (Dalgarno) نے ایک مستقل لغت ترتیب دینے کی زحمت گوارا کی تھی۔

ذخیرہ الفاظ میں دوسرا بڑا نقص جو عربی کے علاوہ کم وبیش دنیا کی سب زبانوں میں ہے، وہ کلمات کا مختلف آوازوں (رکنوں) یا Accents سے مرکب ہونا ہے، کسی حد تک چینی زبان اس عیب سے بچی ہوئی ہے، لیکن اس میں کلمات کے ایک رکنی ہونے سے ایک دوسرا نقص پیدا ہو گیا ہے اور وہ یہ کہ سابقوں اور لاحقوں کا استعمال، نیز مادے سے مشتقات کا حصول اور ایک کلمہ سے دوسرا کلمہ بنانا جسے انگریزی میں ورڈ بلڈنگ (Words Building) کہتے ہیں، مشکل ہو گیا ہے، چینی زبان کا یہ نقص ذیل کی مثال سے واضح ہو جاتا ہے۔

عربی میں ق، د، م (قدم) ایک مادہ ہے، اس سے جو بھی کلمات بنتے ہیں، ان میں ''قدم'' کا مفہوم نمایاں طور پر نظر آ جاتا ہے، اس کے برعکس چینی زبان میں قدم کے لئے ''پو'' کا لفظ ہے اور قدوم کے لئے ''لائی'' کا لفظ ہے، عربی میں جو شخص قدم کے مفہوم سے باخبر ہے، وہ قدوم، اقدام، مقدم، مقدمہ، تقدیم وغیرہ تمام کلمات کے مفہوم کے بارے میں صحیح نہیں تو ناقص سا اندازہ لگا لیتا ہے، لیکن چینی میں ''پو'' کے مفہوم کی مدد سے ''لائی'' کے مفہوم کی بو بھی نہیں پائی جا سکتی، یا عربی میں ''ذہب'' کے مفہوم سے ''مذہب'' اور ''ذاہب'' وغیرہ کلمات کو سمجھا جا سکتا ہے، لیکن چینی میں ''جی'' (جانا) کے مفہوم سے واقفیت ''دو'' (راستہ) کا مفہوم سمجھنے میں مدد و معاون نہیں ہو سکتی۔

عربی زبان کے ذخیرہ الفاظ میں کم وبیش ۹۰ فیصد الفاظ سہ حرفی مادوں سے ماخوذ ہیں، جن کے تلفظ کے لئے چینی کلمات کے تلفظ کی طرح لب ودھن کی ایک ہی جنبش کافی ہوتی ہے۔ جیسے بعد، قبل، علم، حسن، خلق وغیرہ یہ کلمات چینی زبان کے کلمات کی طرح ایک رکنی ہیں اور ان میں چینی کلمات کے مقابلے میں ایک زائد خوبی ہے اور وہ یہ کہ یہ سب کلمات مادے ہیں اور ان سے بے شمار ایسے کلمات بنائے جا سکتے ہیں، جن کے معانی و مطالب میں ان مادوں کے معانی

پائے جاتے ہیں، جیسے مستبعد، استقبال، معلومات، استحسان اور تخلیقات وغیرہ کہ یہ کلمات سہ رکنی اور چہار رکنی کلمات کی صورتیں اختیار کر گئے ہیں اور اس طرح انہیں بیک جنبش لب و دھن ادا نہیں کیا جا سکتا، لیکن ان میں خوبی یہ ہے کہ مادوں کے معانی پر اطلاع کے بعد ان کے مفہوم کا ادراک آسان ہو گیا ہے، گو شکل و صورت میں یہ نئے اور اجنبی معلوم ہوتے ہیں، لیکن مادوں سے وابستگی بدستور موجود ہے جو انہیں نو آموز کے لئے مشکل یا بوجھل نہیں بننے دیتی۔

خلاصہ کلام یہ کہ:

(۱)......عربی کلمات کے معانی کا ربط الفاظ میں بھی باقی رہتا ہے۔

(۲)......عربی کلمات، چینی کلمات کی طرح یک رکنی ہیں، لیکن چینی کلمات کے مقابلے میں ان میں ایک زائد خوبی ہے اور یہ وہ کہ یہ اپنے مادوں سے متعلق رہتے ہیں۔

(۲)......**جامع قواعد:**......عالمی زبان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کے قواعد (Grammer) مختصر، سادہ اور جامع ہوں، لیکن بعض لوگ عربی صرف و نحو کی موٹی موٹی ضخیم کتابوں اور رات دن محنت کرنے والے صرفی اور نحوی طالب علموں کو دیکھ کر یہ گمان کرتے ہیں کہ قواعد کے اعتبار سے عربی، عالمی زبان ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی، حقیقت یہ ہے کہ کسی زبان کے قواعد کی دو قسمیں ہوتی ہیں: نمبر ایک، عام بول چال کی زبان کے قواعد اور نمبر دو، زبان کی اصل اس کے مادوں اور مشتقات کی تحقیق، بظاہر ایک سے معانی رکھنے والے کلمات کے درمیان باریک امتیازات اور ان کے معیاری محل استعمال وغیرہ کے بارے میں مفصل معلومات بہم پہنچانے والے قواعد، ہمارے عربی مدارس میں جن کتابوں پر محنت کی جاتی ہے، وہ قواعد کی اس دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو لوگ کسی زبان کو اس کی عالمی یا بین الاقوامی حیثیت سے ثانوی زبان کے طور پر سیکھیں گے انہیں اس دوسری قسم کے قواعد کے مطالعہ کی ضرورت نہیں ہو گی۔ یہ ایک ضمنی بات تھی جو ایک شبہ کے ازالہ کی خاطر عرض کی ہے...... آیئے اصل مدعا کی طرف:

زبان کے قواعد دو قسم کے ہوتے ہیں:......(۱) صرفی قواعد......(۲) نحوی قواعد

صرفی قواعد میں مادوں سے مشتقات بنانے اور ایک قسم کے کلمات سے دوسری قسم کے کلمات بنانے یعنی (Words Building) کے طریقے بتائے جاتے ہیں، چونکہ مادوں سے مشتقات بنانے کا سلسلہ سامی زبانوں کا خاصہ ہے اور زبانوں کی اس......میں صرف عربی ہی ایک زندہ زبان کی حیثیت رکھتی ہے، اس لئے صرفی قواعد عملی طور پر عربی ہی کے ساتھ خاص ہیں، گو دوسری زبانوں میں "صرف" کی اصطلاح موجود ہے، لیکن وہ "صرف" جسے باقاعدہ فن کا درجہ حاصل ہے، صرف اور صرف عربی میں ہے اور اس کے چند ابتدائی اور سادہ قواعد کے علم سے انسان عربی کے ذخیرہ الفاظ میں وسیع اور گرانمایہ اضافہ کر لیتا ہے، جو دوسری زبانوں میں سالہا سال کی محنت کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتا، ذیل کی مثال سے ہمارے دعوے کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔

باپ، ماں، بیٹا، بیٹی، پیدائش، جائے پیدائش وغیرہ مختلف کلمات ہر زبان کے ذخیرہ الفاظ میں شامل ہیں اور نو آموز کے لئے ان کا سیکھنا ضروری ہے لیکن عربی میں علم صرف نو آموز کو ان مختلف کلمات کے یاد کرنے کی زحمت سے نجات دلا دیتا ہے۔

قواعد کی دوسری قسم یعنی نحوی قواعد میں بتایا جاتا ہے کہ کس طرح کلمات کی ترکی اور ترتیب سے مرکبات بنائے جاتے ہیں، اس بارے میں عربی کے قواعد نہایت سادہ مختصر اور جامع ہیں۔ ''اسپرانتو'' اور چینی زبان کے علاوہ کسی زبان کے نحوی قواعد اختصار اور جامعیت میں عربی کا مقابلہ نہیں کرسکتے، سچ پوچھو تو اسپرانتو اور چینی کے نحوی قواعد عربی کے نحوی قواعد کی طرح مختصر ضرور ہیں لیکن جامع ہرگز نہیں، چینی میں اجزائے کلام (Parts of Speech) کی ترکیب کا خیال تو رکھا جاتا ہے، لیکن ترتیب کا چنداں اہتمام نہیں کیا جاتا بس آگے پیچھے کلمات رکھ دینے سے جملہ بن جاتا ہے۔

عربی زبان کے نحوی قواعد، کلیات کی حیثیت رکھتے ہیں اور اجزائے کلام کی ترتیب میں تبدیلی، جملے کے مفہوم میں تبدیلی پیدا کردیتی ہے۔ ''ضرب زید'' اور ''زید ضرب'' دونوں ترتیبیں درست ہیں، لیکن ان کے فرق سے معانی و مطالب میں بھی فرق آگیا ہے اور لطف یہ کہ جس طرح کلمات کی ترتیب میں معمولی تبدیلی ہوئی ہے، اسی طرح معانی میں بھی ایک لطیف سا فرق آیا ہے۔

حروف علت:...... عربی کے صرفی قواعد میں تعلیلات والے حصے کو مشکل تصور کیا جاتا ہے، لیکن حروف علت کی ان تبدیلیوں کا دوسری زبانوں کے حروف علت کی تبدیلیوں سے مقابلہ کیا جائے تو عربی کا مقام بلند نظر آتا ہے، عربی میں صرف تین حروف علت ہیں: ''ا، و، ی'' اور یہ تینوں ہی آوازوں کے لئے مخصوص ہیں، اس کے برعکس انگریزی میں پانچ حروف علت (Vowels) ہیں، اور ان کی تیرہ قسم کی مختلف آوازیں ہیں، عربی کا طالب علم بتا سکتا ہے کہ قول قال اور قیل و ، ااور ی ایک دوسرے سے کیوں بدل گئے ہیں، لیکن انگریزی کا طالب علم تو دور کی بات استاد بھی نہیں بتا سکتا کہ Begin (شروع کرنا) Began اور Begun میں......I، A، U حروف علت ایک دوسرے سے کیوں بدل گئے ہیں، یا کیا وجہ ہے کہ Come کا O دوسری فارم (Secohd from) میں A سے اور تیسری فارم (Third form) میں پھر O سے کیوں بدل جاتا ہے۔

اسپرانتو جو مصنوعی زبان ہے اور جس کی ترتیب کا مقصد ہی قدرتی زبانوں میں پائی جانے والی قواعد کی خرابیوں سے پاک وصاف زبان کی ضرورت کا پورا کرنا ہے، اس میں بھی پانچ حروف علت ہیں اور بالائے ستم یہ کہ مرکب حروف علت کی ایک الگ قسم موجود ہے، جس میں دو حرف علت مل کر ایسی آواز پیدا کرتے ہیں جو دونوں اجزا کی آوازوں سے مختلف ہوتی ہے۔

کلمات تعریف و تنکیر:...... عربی میں ''ال'' کلمۂ تعریف ہے اور عام حالات میں اس کا نہ ہونا تنکیر کی علامت تصور کیا

جاتا ہے، اس کے برعکس انگریزی میں The کلمہ تعریف اور A اور AN دو تنکیر کے کلمات ہیں اور ان کے استعمال سے قواعد الگ باعث تشویش ہیں، جرمنی میں تذکیر وتانیث کے اعتبار سے اسماء کی تین قسمیں ہیں اور ہر قسم کے لئے کلمہ تعریف الگ ہے، مذکر کے لئے Den مونث کے لئے DI اور بے جان کے لئے DAS ہے، اس قاعدے کے مطابق باغ (Gartan) جو بے جان چیز کا نام ہے، اس کے ساتھ DAS کلمہ تعریف لانا چاہئے تھا لیکن جرمنی میں Den Garden استعمال کرتے ہیں، گویا باغ جاندار مذکر ہے، اسی طرح (Wand) بے جان کے ساتھ DI لگاتے ہیں، گویا دیوار جاندار مونث ہے اور KIND (بچہ) کو بے جان فرض کر کے DAS KIND کہتے ہیں۔

چینی جسے قواعد کے اختصار پر ناز ہے، اس میں ایک نہیں دو نہیں، پورے گیارہ آرٹیکل ہیں، (۱) کو، (۲) تنگ، (۳) کوان، (۴) چن، (۵) پا، (۶) ژو، (۷) ٹو، (۸) چی این، (۹) گو، (۱۰) ژنگ اور (۱۱) چانگ، یہ گیارہ کے گیارہ کلمات تنکیر ہین، جن کی جگہ عربی میں عام طور پر صرف تنوین یا کلمہ تعریف کا نہ ہونا کافی سمجھا جاتا ہے، ان کے علاوہ اشارات کو کلمات تعریف کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ''چے کو'' اسم اشارہ بھی ہے اور کلمہ تعریف بھی ''چے کو جن'' (CHE KO JEN) کے معنی ہیں الرجل یا ھذا الرجل..... مزید ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ چینی لوگ بعض اوقات کلمہ ربط ''ہے'' یو (YO) یا ''شی'' حذف کر دیتے ہیں، اس صورت میں CHE KO JEN کا تیسرا ترجمہ ہوگا ''ھذا الرجل''۔ انگریزی میں CHE KO JEN کے چار مفہوم سمجھے جا سکتے ہیں: (۱) الرجل THE MAN، (۲) ھذا الرجل THIS MAN، (۳) ھذا رجل THIS IS MAN، (۴) ھذا ھو الرجل THIS IS THE MAN

نئے کلمات کی گنجائش:...... انسان علم و دانش اور خاص کر سائنس اور سیاسیات میں پیہم ترقی کر رہا ہے، روز بروز نئے نئے تجربات اور نئی نئی ایجادات واختراعات ہو رہی ہیں، اس لئے زبان میں نئے اور جدید کلمات کی ضرورت پیدا ہوتی رہتی ہے، جو زبان نئی تحقیقات کے دوش بدوش نئے کلمات پیش نہیں کر سکتی، وہ رفتہ رفتہ متروک اور مردہ ہو جاتی ہے، عالمی زبان کے لئے ضروری ہے کہ اس میں نئے کلمات وضع کرنے کی گنجائش اور صلاحیت ہو۔

عہد حاضر کا ایک ماہر لسانیات بوڈمر (BODMER) لسانیات پر اپنی تصنیف THE LOOM OF LANGUAGE میں موجودہ عالمی اور خاص کر مصنوعی (ARTIFICIAL) زبانوں پر بھرپور تنقید بلکہ تنقیص کے بعد عالمی زبان کے لئے اپنی تجویز پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

> ''عالمی زبان کا ذخیرہ الفاظ ایک ہزار کلمات سے کسی صورت میں بھی زیادہ نہیں ہونا چاہئے اور مختلف علوم کے لئے الگ الگ فرہنگیں تیار کی جائیں تا کہ جو شخص کسی خاص علم سے دلچسپی رکھتا ہو وہ ان فرہنگوں کا مطالعہ کر کے ذخیرہ الفاظ کی کمی کو پورا کر لیا کرے۔ (کتاب مذکور صفحہ ۵۱۰)

.... (جاری ہے)